OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

مذاہبِ اربعہ میں فقہی اختلافات کی حقیقت
Reality of Jurisprudential differences among the Four Schools of Thought

Muswar Sikandar Makol
Doctoral Candidate, Department of comparative Religion and Islamic culture, University of Sindh Jamshoro, Sindh
Bashir Ahmed Rind
Associate Prof., Department of Comparative Studies and Islamic Culture, University of Sindh Jamshoro, Sindh

Abstract

After the departure of the Holy Prophet (S.A.W), those ruling of the Muhammadan Shari'ah which were not definitive in terms of their proofs, arguments and correctness, or regarding which different sayings were interpreted by companions of Holy Prophet (S.A.W), or for the interpretation in revealed books and the word used in the Sunnah were likely to have more than one meaning. In the same way, many religious, social, economic and political problems and issues that did not exist for which there was no clarity of orders, the companions of the prophet used Ijtihad for their Shariah solution. Now, in view of the difference in the natural abilities of Ijetihad insight, thinking, inferring and extracting rulings, and in view of the different times differed needs of our respective times, disagreements occurred in numerous Ijtihad issues and problems. It laid the basis of disagreement between them. As a result of which many

CC BY

jurisprudential religions and different schools of thought came into existence, which created great ease and expansion for the Ummah. With the passage of time, the rest of the religions became extinct, but these four religions gained fame, popular acceptance and continued existence due to their multiple characteristics. Now, since every person is not capable of deriving rulings through Ijtihad and Qiyas, secondly, because the jurisprudential religions had different interpretations of the Qur'an and the Sunnah, the majority of the Islamic world started imitating one or the other of these religions and Masalik.

Keywords: Jurispurundence, Schools of thought, Facts and Reasons, Differences of opinin.

تمہید

قرآن وسنت اور دلائل شرعیہ سے براہ راست احکام شریعہ کا استنباط واستخراج اور اجتہاد و قیاس کے ذریعے غیر منصوص مسائل و معاملات کا شرعی حل معلوم کرلینا انسانی عقل وفہم اور فقہ و بصیرت میں فطری تفاوت کے باعث ہر آدمی کے لئے ممکن نہیں۔ارشاد ربانی ہے وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ [1]"اور انہیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے میں سے صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی حقیقت جان لیتے۔" يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ[2]"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی" ۔فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ [3]"پس تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تم علم نہیں رکھتے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نا صرف اجتہاد کی اجازت دی بلکہ مجتہد صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے اجتھاد کی تحسین فرمائی اور مجتہد مخطی کے لئے ایک اور مجتہد مصیب کے لئے دوہرے اجر کی بشارت دی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الا نبیاء والمرسلین، قرآن حکیم کے خاتم الکتب اور امت مسلمہ کے خاتم اور خیر الامم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی نے دین اسلام کی حفاظت اور نشرو اشاعت کے لیے ہر عہد میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جن کے بر وقت تجدیدی، اصلاحی، دعوتی اور فکری و عملی کارناموں نے دین اسلام کی حقانیت ثابت کر کے باطل قوتوں کو ہمیشہ مات دی ہے ۔

فقہی مسالک کی تدوین اور اختلافات آغاز وارتقاء

عہد نبوی ﷺ میں فقہ کا منہج

عہد نبوی ﷺ میں قانون سازی، فتویٰ، عدلیہ اور فیصلہ کے جملہ فرائض رسول ﷺ کی ذات اطہر سے وابستہ تھے اور ان تمام امورمیں ذات نبوی ﷺ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں شریعت اسلامی کی بنیاد استوار ہوئی۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں عقائد اعمال اور آداب کا ہر مسئلہ جو آیات قرآنی اور احادیث رسول ﷺ سے مستنبط ہوتا تھا اس کو فقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ فقہ واقعاتی تھانہ کہ نظری، واقعہ پیش آنے کے بعد اس کے متعلق حکم معلوم کرنے کی ضرورت سمجھی جاتی اور بحث و تمحیص کے بعد اس کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔ محض فرضی واقعات کے مسائل پر کوئی گفتگونہ ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے کوئی مدون علم صحابہ کے حوالے نہیں فرمایا تھا بلکہ ان کے متعلق اصول قواعد کلیہ اور قرآن و حدیث میں بکھری ہوئی ایسی کثیر جزئیات چھوڑی تھیں جن میں اتنی عمومیت اور جامعیت تھی کہ بڑے بڑے مختلف النوع مسائل کا حل ان سے نکالا جاسکتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عہد نبوی ﷺ میں فقہ کی صورت حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

> "واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں علم فقہ بحیثیت فن مدون نہ تھا اور نہ ہی اس وقت احکام شرعیہ کے بارے میں بحث کاوہ طریق تھاجو بعد میں رائج ہوا کہ فقہاء اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے مدلل طور پر کسی حکم کے ارکان و شرائط و آداب بیان کرتے ہیں، فرضی مسائل سامنے رکھ کر ان پر بحث کرتے ہیں اور اشیاء کی جامع و مانع تعریف بیان کرتے اور جن امور پر کسی مسئلہ کا انحصار ہے،اسے واضح کرتے ہیں۔ وغیرہ"[4]

الغرض احکام شریعت یا دوسرے الفاظ میں فقہ سے متعلق جملہ امور رسول ﷺ کی ذات اقدس سے وابستہ تھے۔ قانون سازی، فتاویٰ، فیصلے وغیرہ کے فرائض عموماً آپ ﷺ خود بنفس نفیس انجام دیا کرتے تھے۔ معروف اصطلاحی معنوں میں نہ تو باقاعدہ فقہ کی تدوین ہوئی تھی اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت

دوسری طرف قرآن مجید چونکہ آخری آسمانی کتاب ہدایت حضور ﷺ اللہ کے آخری نبی اور اسلام خاتم الادیان اور آخری شریعت ہے۔ اب نہ کوئی نئی کتاب اترے گی،نہ ہی کوئی نیارسول آئے گا اور نہ ہی کوئی شریعت۔علاوہ ازیں قیامت تک آنے والے ہرزمانے اورعرب و عجم کے بلا استثناء وبلاتخصیص تمام انسانوں کی دنیوی واخروی فوز و فلاح اللہ کریم نے اسی آخری کتاب ہدایت اورشریعت محمدیہ سے وابستہ کردی ہے، اس لیے عقلی، شرعی اور انسانی نفسیات کے اعتبار سے صرف نامناسب اور خلاف مصلحت ہی نہیں بلکہ محال تھا اور اس میں کئی عملی مشکلات اور قباحتیں بھی تھیں کہ قیامت تک لوگوں کو پیش آنے والے مسائل یا فقہاء کی زبان میں"حوادث ونوازل" اور تمام جزئیات کاشرعی حل براہ راست قرآن و حدیث میں بیان کردیا جاتا۔ حوادث و نوازل یا پیش آمدہ غیر منصوص مسائل کا شرعی حل معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کی قرآن و سنت میں دلالۃً یا صراحتاًنہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کی تحسین بھی فرمائی گئی، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے " :اور انہیں منافقین یا کمزور ایمان والوں

کو جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اسے بلا تحقیق پھیلا دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اس رسول اکرم ﷺ یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالے کر دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت جان لیتے۔"[5] اسی طرح نبی رحمت ﷺ نے اپنے سامنے اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں صحابہ کرام کو اجتہاد کے ذریعے استنباط احکام کی نہ صرف اجازت دی بلکہ تحسین وحوصلہ افزائی، صحیح ہونے کی صورت میں تائید اور غلط ہونے کی صورت میں اصلاح فرمائی۔ اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اجتہاد کا وجود کم تھا تاہم جس قدر بھی تھا اس کا مقصد جذبہ اجتہاد کو ابھارنا، صحابہ کو اس کا خوگر بنانا اور انہیں اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف کرانا تھا تاکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات و حالات میں صریح اور واضح نصوص سے کوئی حل معلوم نہ ہوسکے تو وہ لوگ جنہیں اللہ تعالی نے اجتہاد واستنباط احکام کی یہ صلاحیت بخشی ہے، اپنی صلاحیت سے بھرپور طریقے سے کام لے سکیں۔ چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معروف صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ یمن کا گورنر بنا کر روانہ کرنے لگے تو قرآن و حدیث میں کسی فیصلہ کے نہ پاسکنے کی صورت میں ان کے اجتہاد رائے سے فیصلے کرنے کے عندیہ پر آپ ﷺ نے انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔[6]

۲۔ حاکم کو اجتہاد کے ذریعے صحیح فیصلہ کرنے پر دوہرے اور غلطی کی صورت میں ایک اجر کی بشارت سنائی ہے۔[7]

۳۔ ایک آدمی نے ناپاک ہوجانے پر نماز نہ پڑھی اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کا ذکر کیا تو فرمایا "تو نے ٹھیک کیا اور ایک دوسرا آدمی ناپاک ہوا تو اس نے اپنے اجتہاد سے تیمم کیا اور نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ کے پاس آکر تذکرہ کیا تو اسے بھی فرمایا"تو نے ٹھیک کیا"۔[8]

۴۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو جنگ بنو قریظہ کے لیے بھیجا تو فرمایا نماز عصر بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھنا۔ اس پر بعض صحابہ نے ظاہر قول پر عمل کرتے ہوئے نماز مؤخر کردی اور بنو قریظہ ہی میں جاکر نماز پڑھی جبکہ بعض صحابہ نے سمجھا کہ اس سے آپ ﷺ کی مراد جلدی ہے نہ یہ کہ وقت پر نماز نہ پڑھنا۔ چنانچہ انہوں نے راستے میں ہی نماز پڑھ لی۔ آپ ﷺ نے ہر دو فریق پر کوئی نکیر نہ فرمائی۔[9]

خلفاء راشدین کے عہد میں اختلاف رائے کی نوعیت

یہ وہ دور ہے جبکہ خود صحابہ بہت بڑے تغیر سے دوچار ہوئے، کیونکہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ حضرات ہر چیز براہ راست آپ ﷺ سے معلوم کرتے تھے،ان کو اپنی قوت فکریہ کام میں لانے یعنی اجتہاد کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کا کام زیادہ تر یہ تھا کہ حکم سنیں اور تعمیل کریں، اور حسب ضرورت آپ ﷺ سے مسائل پوچھیں یعنی جملہ امور کے سمجھنے اور معانی متعین کرنے میں آپ ﷺ پر اعتماد و انحصار کرتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد حالات اچانک بدل گئے، اعتماد و انحصار کا زمانہ ختم ہوگیا اور اجتہاد کا زمانہ شروع ہوا کیونکہ صحابہ کرام اب اس ہستی کے سایہ رحمت سے محروم ہوچکے تھے جہاں ہر معاملے میں رجوع کرتے اور منشائے شریعت معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اب ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دستوری ترکہ یعنی قرآن وسنت تھا جو آپ ﷺ کے بالمشافہ احکام کی

نیابت کرتا تھا۔ لہذا جوں جوں مسائل پیدا ہوتے گئے ان کے شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان کلمہ حق کی سربلندی، انسانی اصلاح وفلاح کا پیام دیتے ہوئے قیصر وکسریٰ کے ممالک میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ مصر، شام، فارس اور شمالی افریقہ کی متمدن اور غیر متمدن اقوام ان کے زیر نگیں ہوگئیں اور مختلف جنس ومذہب کے لوگ اسلامی مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں شانہ بشانہ زندگی گزارنے لگے جس کی وجہ سے نئے سیاسی اور اجتماعی مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ مسلمانوں کو ان کے متعلق فکر و نظر کو حرکت میں لانے اور فقہی حل نکالنے کی ضرورت ہوئی تاکہ ملک کا نظم و نسق ٹھیک طور پر چل سکے ۔ چونکہ یہ حالات عہد رسالت ﷺ کے حالات سے بالکل مختلف تھے، اس لیے پیش آمدہ ملکی، مالی اور انتظامی گتھیوں کو حل کرنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کرنا پڑا۔ صحابہ کرام کے اجتہاد کی نوعیت یہ تھی کہ سب سے پہلے وہ قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے، اگر قرآن سے مسئلہ حل ہوجائے تو ٹھیک ورنہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی طرف رجوع کرتے اور آپ ﷺ کے زمانے کے فیصلوں کو ایک دوسرے سے پوچھ کر مشورہ کرکے اور حافظہ پر زور دے کر معلوم کر لیتے۔ اگر متعلقہ مسئلہ کے بابت کسی کے پاس کوئی حدیث بھی محفوظ نہ ہوتی تو رائے استعمال کرتے یعنی مقاصد شریعت اور اصول دین کی حدود میں رہ کر اپنے فہم ورائے سے اجتہاد کر کے قیام عدل اور مصالح عامہ کی سعی فرماتے تھے۔ جس طرح قاضی قانونی دفعات کا پابند رہ کر فیصلہ کرتا ہے لیکن اگر کسی قضیہ میں قانون سے اس کی رہنمائی نہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام بھی اسی طرح عمل فرماتے تھے۔

اجتہادی مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف

عام مسلمانوں کو شاید اس کا علم نہ ہو مگر اہل علم خصوصاً حدیث وفقہ سے واقفیت رکھنے والے حضرات یہ بات جانتے ہیں کہ جو اختلافات آج بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ دراصل صحابہ کرام ہی کے باہمی اختلافات پر مبنی ہے اور ان سے ہی منتقل ہوکر اختلافات کا یہ قصہ تابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد کے طبقات فقہاء میں پہنچا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام کو من حیث الجماعۃ اللہ کریم نے بڑی عظمت و جلالت شان عنایت فرمائی ہے۔ انہیں "رضی اللہ عنھم" جیسی آیات اتار کر اپنی رضا اور جنت کا سرٹیفیکیٹ عنایت فرمار کھا ہے۔ قرآن وحدیث ان کی توصیف اور فضائل و مناقب سے بھرے پڑے ہیں، تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سارے صحابہ طبعی فہم و فراست میں ایک جیسے نہ تھے، سب کا قدرتی حافظہ بھی یکساں نہ تھا، سب کو حضور ﷺ کی محبت سے مستفید ہونے کا برابر موقعہ بھی نہ ملا تھا، اس کے علاوہ اپنی معلومات، تجربہ علمی فقہیت اور اجتہادی بصیرت میں بھی مساوی نہ تھے۔ پھر ملکہ اجتہاد اور قوت استنباط واستخراج مسائل تو کسبی سے زیادہ وہبی چیز ہے اس لئے غیر منصوص اور اجتہادی مسائل میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا، چنانچہ حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں بھی اجتہادی مسائل کے اندر صحابہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا اور بعد میں بھی ہوا۔ چنانچہ اجتہاد میں جو مرتبہ خلفاء راشدین، عبادلہ اربعہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا وہ دوسرے صحابہ کا نہ تھا۔ تاریخ اسلام کے ہر طالب علم

پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صحابہ کرام جو امت کے لئے معیار حق کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے مابین بہت سے علمی و شرعی مسائل میں اختلافات رونما ہوئے اور بعض مسائل پر تو کئی کئی دنوں تک بحث و تمحیص بھی ہوتی رہی۔

چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، یزید کے خلاف خروج جیسے معرکتہ الآراء مسائل کے پہلو بہ پہلو عبادات، معاملات، وراثت، طلاق و نفقہ اور تعزیرات وغیرہ ایسے سینکڑوں فروعی معاملات میں زبردست اختلافات ابھرے اور قائم رہے۔لیکن کبھی ان اختلافات کو کسی ایک صحابی رسول ﷺ نے مذموم یا تفرقہ انگیز نہیں سمجھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جیسا کہ اوپر گزراخود رسول ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام کے درمیان بعض فقہی مسائل میں اختلاف رائے ہوا اور رسول رحمت ﷺ نے نہ صرف اختلاف کو درست گردانا بلکہ دونوں فریقین کو اطاعت و امتثال حکم اور حسن نیت و اخلاص کے لحاظ سے صائب ٹھہرایا۔جس سے شریعت کے فروعی مسائل میں فقہی واجتہادی اختلافات کا نہ صرف جواز فراہم ہوا بلکہ ان اختلافات کی بنا پر امت کے لئے مختلف ادوار واحوال میں نت نئے تمدنی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اتباع شریعت کے دائرہ میں وسعت اور سہولت کے لاانتناہی امکانات اجاگر ہوئے ۔

اختلاف صحابہ میں حکمت

اجتہادی مسائل میں صحابہ کے درمیان اس اختلاف سے امت کے لیے بڑی وسعت اور آسانی پیدا ہوئی۔ امام شاطبی اور ابن عبدالبر وغیرہ نے صحابہ کرام کے اختلاف میں امت کے لیے آسانی اور وسعت کے حوالے سے حضرت سیدنا صدیق اکبر کے پوتے حضرت قاسم بن محمد کابڑا ایمان افروز قول یا حقیقت پر مبنی تجزیہ نقل کیا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا

> "نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کے اعمال میں اختلاف سے اللہ تعالی نے لوگوں کو بڑا نفع پہنچایا۔
> جب آدمی کسی صحابی کے عمل کی پیروی کرتا ہے تو اس خیال سے مطمئن رہتاہے کہ یہ عمل مجھ سے بہتر آدمی (صحابی) کا ہے"۔[10]

اسی طرح معروف اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزرحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

> "صحابہ کرام کا اختلاف مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے"[11]

سرخ اونٹ عربوں کے ہاں سب سے بہتر اور قیمتی شے مراد لی جاتی ہے اور اس کو ایک محاورہ کے طور پر بولا جاتا ہے ۔ پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے اپنے خیال کی توجیہ یوں فرمائی کہ" :اگر ان امور میں ایک بھی فتویٰ ہوتاتولوگ تنگی میں پڑجاتے۔"[12] خلیفہ موصوف صحابہ کے اختلاف کے حوالے سے یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ "اگر حضور ﷺ کے صحابہ مسائل میں اختلاف نہ کرتے تو مجھے اس سے خوشی نہ ہوتی کیونکہ اگر وہ اختلاف نہ کرتے تو لوگوں کے لیے کوئی رخصت نہ ہوتی "[13] اجتہادی مسائل میں اختلاف صحابہ کے رحمت ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی اس روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا " :جب کبھی تمہیں کتاب اللہ (قرآن مجید) سے کوئی حکم مل جائے تو اس پر عمل لازم ہے اور اس کے ترک میں کسی

کے لیے کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر کسی معاملے میں کوئی حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس میں میری سنت فیصلہ کرنے والی ہے۔ اگر میری سنت بھی نہ ملے تو اس پر عمل کرو جس پر میرے صحابہ نے کیا ہے کیونکہ میرے صحابہ آسمان پر ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔"[14]

اختلاف صحابہ فقہی مسالک کی بنیاد

شاہ ولی اللہ نے اختلاف صحابہ کے اسباب کی بحث کے آخر میں اپنی کتب "الانصاف" اور "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے کہ " :الغرض صحابہ کے مذاہب مختلف ہوگئے اور ان میں سے تابعین نے جس میں سہولت دیکھی اختیار کرلیا۔ اسی طرح علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنی اپنی توجیہہ کے مطابق علیحدہ مسلک ہوگیا اور اس طرح ہر علاقے میں امام بن گیا جیسے حضرت سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمران کے بعد زہری، قاضی یحی بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمن مدینہ منورہ میں، عطاء بن رباح مکہ میں، ابراہیم نخعی اور شعبہ کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں، طاؤس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں امام بنے ۔ سعید بن مسیب اوران کے ہم خیال اصحاب کی رائے یہ تھی کہ حرمین شریفین کے رہنے والے تفقہ میں سب سے اعلی مقام رکھتے ہیں۔ ان کے مسلک کی بنیاد حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فتاویٰ اور مدینہ منورہ کے قاضیوں کے فیصلوں پر تھی۔ یہی فقہی اثاثہ آگے چل کر امام مالک کے مسلک کی بنیاد ٹھہرا۔ ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب کی رائے تھی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب فقہ میں ممتاز و مستحکم مقام رکھتے ہیں۔ نیز امام ابو حنیفہ نے بھی اوزاعی سے کہا کہ ابراہیم نخعی، سالم بن عبد اللہ بن عمر سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسلک کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعود کے فتاویٰ اور حضرت علی المرتضی کے فیصلوں پر ہے۔

صحابہ کرام کے بعد یہی حضرات ایسے تھے جو مختلف مقامات میں لوگوں کی توجہات کا مرکز بنے ۔ان کے پاس رسول مقبول ﷺ کی احادیث تھی، صحابہ کرام کے اجتہادات، اقوال، آراء، فیصلے اور فتاویٰ تھے۔ علاوہ ازیں کچھ نئے حالات و مسائل بھی تھے، جن میں ان حضرات کی مستقل رائیں تھیں۔اجتہاد واستنباط کے مختلف طریقے اور مختلف نقطہ نظر تھا۔ ہر علاقے کے عوام اخواص اپنے اپنے علاقے کے ائمہ وفقہاء پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، یوں آگے چل کر علیحدہ علیحدہ فقہی مسالک معرض وجود میں آئے۔[15] تاہم واضح رہے کہ اس دور میں فقہ کا منہج وہی رہاجو پہلے دور میں تھا، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی یعنی اس کی واقعیت اور عملیت برقرار رہی۔ واقعات پیش آنے کے بعد قرآن و حدیث سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی اور ان مصالح اسلامیہ کے مقتضی کا لحاظ کیاجاتا تھا جن کو شارع علیہ السلام ملحوظ رکھتے تھے ۔ اس دور کی نمایاں خصوصیات دو چیزیں ہیں:

اول:رائے اور قیاس کے استعمال میں وسعت کیونکہ نئے واقعات کے متعلق شرعی احکام مطلوب ہوتے تھے اور اس کے لیے اجتہادناگزیر تھا۔

دوم:اجماع کی پیدائش۔ اس لیے کہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق کا عام معمول یہ تھا کہ جب کوئی نئی بات پیش آتی تو صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے استفادہ و مشورہ کرتے، پھر ان کے متفقہ فیصلوں پر عمل

کرتے۔ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے یہ وہی دور ہے جس میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی کے بعد مسلمانوں میں پہلی دفعہ سیاسی اختلاف پیدا ہوا اور مسلمان بد قسمتی سے شیعان علی اور شیعان معاویہ کے نام سے دو جماعتوں میں بٹ گئے۔اس سیاسی اختلاف اور فرقہ بندی نے بھی فقہ اسلامی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔غرض اس دور تک فقہ حسب ذیل چیزوں کا نام تھا:

(الف) قرآن مجید کے احکام و آیات۔

(ب)وہ حدیثیں جو عام طور پر معلوم تھیں اور ان پر عموماً عمل کیا جاتا تھا۔

(ج)چند فتاویٰ جو اجتہاد و بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے۔

صغار صحابہ اور تابعین کے عہد میں اختلاف رائے کی نوعیت

فقہ اسلامی کا یہ دور ۴۱ھ سے اوائل دوسری صدی ہجری تک جاتا ہے۔مشہور و مسلمہ فقہی مسالک و مذاہب (حنفی، مالکی،شافعی،حنبلی اور جعفری وغیرہ) کی باقاعدہ تشکیل و تدوین اور تقلید شروع ہونے سے قبل یہی وہ عہد ہے جس میں اگر کہا جائے کہ ان فقہی مسالک کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو غلط نہ ہوگا۔ یہ دور فقہ اسلامی کا تاسیسی دور تھا، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان کے آخری زمانہ میں اہل علم اصحاب فتویٰ اور صحابہ دین اسلام کی تعلیم و ترویج کے لیے وسیع اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے مدینہ منورہ سے نقل مکانی کرکے وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔حجاز، یمن، کوفہ، بصرہ، عراق اور شام وغیرہ کے جن جن مقامات پر رسول مقبول ﷺ کے فیض یافتہ، ہدایت یافتہ اور دین اسلام کے ساتھ بے مثال خلوص و محبت، ایثار و قربانی اور درد و فکر رکھنے والے یہ لوگ تشریف لے گئے تو اپنے ساتھ حدیث رسول ﷺ ، تعلیمات و اسوہ رسول ﷺ اور احکام شریعت کے سلسلے میں اپنی اجتہادی رائے و فکر کو بھی ساتھ لے گئے۔ اب ان کی تعلیم و تربیت، طرز عمل،سوچ اور اخلاق و کردار سے وہاں موجود لوگوں یعنی تابعین کا متاثر ہونا اور دینی مسائل و احکام میں انہی پر اعتماد کرنا، جیسا کہ پیچھے گزرا،ایک فطری امر تھا۔علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

> "امت اسلامیہ میں فقہ کی اشاعت اس طرح عمل میں آئی کہ عراق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب کے ذریعہ سے مدینہ میں زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر کے تلامذہ سے اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس کے تلامذہ سے علم فقہ پھیلا۔[16]

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی جیسے دیگر مجتہدین وفقیہ صحابہ دنیا میں جہاں جہاں تشریف لے گئے وہاں ہر ایک کے خصوصی طرز اجتہاد اور طریق تفکر کا یہ اثر ہوا کہ ان کے تلامذہ یعنی تابعین کی بدولت مختلف فقہی مسالک یا اجتہادی سکول School of thoughts قائم ہوگئے، جن کے قائد اور امام جیسا کہ اوپر گزرا، یہی تابعین حضرات قرار پائے ۔ جیسے سعید بن المسیب، سالم بن عبد اللہ بن عمر اور ربیعہ بن عبد الرحمٰن مدینہ منورہ میں، عطاء بن رباح مکہ مکرمہ میں، ابراہیم نخعی اور شعبہ کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں، طاءوس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں امام بنے۔ پس یہ حضرات اور ان کے تلامذہ یعنی تبع تابعین ہی وہ مقدس نفوس ہیں جن کی پر خلوص محنت و فکر کی بدولت فقہ اسلامی کے میدان میں حیرت انگیز وسعت پیدا ہوئی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے

مسلک اور اجتہاد میں انہی صحابہ کا پیرو کار تھا، اور انہی کے تفقہ اور رسوخ فی العلم پر اسے زیادہ اعتماد تھا جن کی صحبت اس نے مدتوں اٹھائی تھی اور اپنی آنکھوں سے ان کے طرز عمل کو دیکھا تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں حدیث اور رائے کے حوالے سے علماء وفقہاء میں دو مکتب ہائے فکر پیدا ہوگئے تھے۔ ایک مکتب "اہل حدیث" اور دوسرا "اہل الرائے "کے نام سے مشہور ہوا۔ اول الذکر کا مرکز مدینہ منورہ اور دوسرے کا کوفہ تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حجاز میں ایک تو حضور ﷺ کی احادیث کی روایت کا چرچا بہت تھا، دوسرے یہاں کے باشندوں کو عقل واجتہاد اور رائے کے استعمال کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی۔ کیونکہ یہ علاقہ اپنی قدیم روایات کی بنا پر جدید تہذیب و تمدن کے حوادث سے بہت کم روشناس تھا۔ جبکہ کوفہ عراق میں ایک تو ابتداء حجاز کی بنسبت حدیث کی اشاعت کم ہوئی اور دوسر اشہری زندگی کے مسائل بہت پر پیچ تھے۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے مسائل سامنے آتے تھے کہ جن کی شریعت میں کوئی نص نہ ملتی تھی، اس لئے لامحالہ وہاں نصوص کی روشنی میں رائے و اجتہاد سے کام لے کر ان مسائل کا شرعی حکم بتانا پڑتا تھا۔

مذاہب اربعہ

مذاہب مذہب کی جمع ہے اور لغت میں مذہب چلنے کی جگہ یعنی راستے کو کہتے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں مذہب، مسائل پر مشتمل احکامات کا نام ہے۔ جس طرح راستہ منزل تک پہنچاتا اسی طرح یہ احکام آخرت میں سرخروئی کا سبب ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے نصف کا دور اجتہاد کا سنہری دور ہے، جس میں افق اجتہاد پر تیرہ مجتہد چمکے. جن کے مذاہب مدون کیے گئے اور ان کی آراء کی تقلید کی گئی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱-سفیان ابن عیینہ (مکہ مکرمہ)

۲-مالک ابن انس(مدینہ منورہ)

۳-حسن بصری(بصرہ)

۴،۵-ابو حنیفہ وسفیان ثوری(کوفہ)

۶-اوزاعی(شام)

۷،۸-امام شافعی ولیث ابن سعد(مصر)

۹-اسحاق ابن راہویہ (نیشاپور)

۱۰،۱۱،۱۲،۱۳ -ابو ثور و امام احمد و ظاہری و ابن جریر الطبری(بغداد)

مذکورہ بالا مذاہب میں اکثر مذاہب اپنے پیروکاروں کے ختم ہونے سے باقی نہ رہے۔باقی رہنے والے مذاہب میں چار مذاہب آج تک قائم اور مشہور ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1-مذہب حنفی

2-مذہب مالکی

3-مذہب شافعی

4-مذہب حنبلی
یہ مذاہب اپنے بانیوں کے نام سے مشہور ہوئے۔

مذاہب اربعہ میں اختلاف کے اسباب

تابعین کے زمانہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کی پیشن گوئی "ہر آنے والی نسل میں اس علم کے حامل عادل لوگ ہوں گے۔"[17]

ا۔ وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، لین دین اور تمام کثیر الوقوع معاملات کو اخذ کیا۔
۲۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث روایت کیں۔
۳۔ مختلف شہروں کے مفتیوں کے فتوے اور قاضیوں کے فیصلے سنے اور دریافت کیے اور تمام مسائل و احکام میں غور و فکر کیا، جس کے باعث وہ قوم کے مقتدا اور مذہبی امور میں ان کے مرجع بن گئے۔ اپنے بزرگوں کے طریقہ کار کے مطابق ایماو اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی اور اسی کے مطابق فیصلے کیے، فتوے دیے، علم کو نقل کیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔[18]

ان علماء کا طریق کار ایک دوسرے سے مشابہ تھا:
ا۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے خواہ وہ مسند ہوں یا مرسل تمسک کرتے تھے۔
۲۔ اقوال صحابہ و تابعین سے یہ سمجھ کر استدلال کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہی سے منقول باتیں ہیں، جنہیں صحابہ و تابعین نے مختصراً بیان کیا اورانہیں موقوف احادیث بنالیا اوران بزرگوں کا ایسا کرنا مبنی براحتیاط اور ان کے نزدیک تقاضائے ایمان تھا۔

مثلاً:

(الف) ابراہیم نخعی نے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث [19] روایت کی جس میں محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا گیا ہے، ان سے کہا گیا، کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث یاد نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یاد ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ عبداللہ نے کہا یا علقمہ نے کہامیرے نزدیک (براہ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے سے) بہتر ہے۔

(ب) اسی طرح امام شعبی سے جب ایک حدیث کی بابت پوچھا کہ کیا اس کی سند نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے ؟ آپ نے کہاکہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اس کی سند نبی کریم ﷺ کے بعد کسی برتر شخصیت تک لے کر جاوں تا کہ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو بعد اس شخص کی طرف ہو یا یہ ہو گا کہ وہ مسائل، کتاب و سنت سے اخذ کردہ احکام اور ان کی اپنی اجتہادی رائے پر مشتمل ہوں گے۔

یہ بزرگان امورمیں طریق کار کے لحاظ سے بعد میں آنے والے حضرات سے بہتر، یاباعتبارزمانہ مقدم اور باعتبارعلم افضل تھے۔ اس طرح ان کے اقوال پر عمل کرنا متعین ہوگیا، بجز اس صورت کے جب ان میں اختلاف ہوجائے اوررسول اللہ ﷺ کی حدیث واضح طور پر ان کے قول کی مخالف ہو[20]تو پھر ان کے اقوال کو رد کردیا جائے اور حدیث رسول ﷺ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

احادیث میں اختلاف کی صورت میں فقہاء کا طرز عمل

اگر کسی مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مختلف ہوتیں تو یہ فقہاء اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے اگر صحابہ کرام تصریح کر دیتے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں یا مصروف عن الظواھر ہیں تو بات واضح ہو جاتی اور یہ فقہاء حقیقت حال تک رسائی حاصل کر لیتے لیکن اگر بغیر کسی تصریح کے صحابہ کرام کسی حدیث کو ترک کرنے پر متفق ہوتے تو ان کا عدم قبول دراصل اس حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل قرار دینا ہے، ایسی تمام صورتوں میں یہ صحابہ کرام کی پیروی کیا کرتے تھے۔

امام مالک کے طرز عمل کی مثال

امام مالک نے کتے کے جھوٹے کے حکم والی حدیث کے بارے میں مذکورہ بالا طرز عمل اپناتے ہوئے کہا "یہ حدیث وارد تو ہوئی لیکن مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ "

صحابہ و تابعین کے مابین اختلاف اور فقہاء کا طرز عمل

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"جب صحابہ اور تابعین کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو ہر عالم اپنے علاقے (شہر) کے علماء اور مشائخ کے نقطہ نظر کو اختیار کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ 1-وہ ان کے اقوال کی صحت و سقم سے زیادہ واقف ہوتے تھے۔2-ان اقوال سے نسبت رکھنے والے اصولوں کا زیادہ رازداں ہوتے تھے۔3-اس کا دل اپنے علاقے کے مشائخ و علماء کے فضل اور تبحر علمی کی طرف زیادہ مائل ہوتا تھا۔[21]

فقہاء مدینہ اور فقہاء کوفہ کے طرز عمل کی مثال

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ عنھم اجمعین اور ان کے شاگرد مثلاً سعید بن المسیب جو حضرت عمر کے قضایا اور حضرت ابو ہریرہ کی روایتوں کے سب سے بڑے حافظ تھے یا مثلاً عروہ، سالم، عکرمہ، عطاء بن یسار، قاسم، عبید اللہ، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم اور ربیعہ وغیرہ کا مسلک اہل مدینہ کے لیے دوسروں سے زیادہ قابل قبول تھا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس امر کہ اہل مدینہ کے فضائل میں بیان فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مدینہ ہر دور میں علماء و فقہاء کا مرکز رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک اہل مدینہ کے اجتماع کو حجت مانتے ہیں۔امام بخاری نے اپنی صحیح میں "باب فی الاخذ بما اتفق علیہ الحرمان"[22] کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ جبکہ عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب کا مذہب حضرت علی، قاضی شریح اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم نخعی کے فتاویٰ کو اختیار کرنا اہل کوفہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور مختار تھا، یہی وہ بات تھی کہ جس کے باعث علقمہ نے تشریق کے مسئلہ میں مسروق کو حضرت زید بن ثابت کے قول کی طرف مائل دیکھ کر یہ بات کہی تھی" : کیا کوئی صحابی عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ باوثوق ہے ؟"مسروق نے جواباً کہا " :بیشک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے لیکن میں نے حضرت زید بن ثابت اور علمائے مدینہ کو تشریق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"[23] الغرض اہل شہر جس بات پر متفق ہوتے تو یہ علماء مضبوطی سے اس پر جم جاتے تھے، اس بابت امام مالک نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس اتنی ہی

ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں اہل مدینہ کا اختلاف ہوجاتا تو جو رائے زیادہ قابل ترجیح ہوتی اس کو اپنا لیتے۔ اس کا طریقہ یا تو یوں تھا:

(الف) یہ کہ وہ دیکھتے اکثریت کس قول کی قائل ہے یا

(ب) یہ کہ کون سا قول قوی قیاس پر مبنی ہے یا

(ج) کون سا مسلک کتاب و سنت سے اخذ کیا گیا ہے۔

جب علماء اپنے مسئلہ کا جواب اپنے اپنے شہر کے اصحابہ و تابعین سے منقول اقوال و آثار میں نہ پاتے تو ان کے کلام سے استنباط کرتے اور ایماء واقتضاء سے انہی کے کلام میں مسئلہ کا جواب نکال لیا کرتے تھے، یہی وہ طبقہ ہے جن کے دل میں تدوین فقہ کا الہام ہوا، چنانچہ امام مالک اور محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذویب نے مدینہ میں، ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں، امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن الصبیح نے بصرہ میں مذکورہ طریقہ کار کے مطابق فقہ کی تدوین کی۔[24]

اسباب اختلاف

فقہاء و مجتہدین کے مابین اختلاف کے اسباب کے ضمن میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: فقہاء اور مجتہدین کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کے چار بنیادی مندرجہ ذیل اسباب ہیں:۔ایک مجتہد کو کسی واقعہ کے بارے میں ایک حدیث ملی اور دوسرے مجتہد کو نہ مل سکی۔ اس صورت میں حق کو پانے والا مجتہد معین ہے۔ہر مجتہد کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ موجود تھے اور ہر ایک حدیث کو دوسری حدیث کے ساتھ اور ایک اثر کو دوسرے اثر کے ساتھ تطبیق یا ترجیح دینے میں اجتہاد کی بنیاد پر ایک معین حکم تک پہنچادیا ہے، جس کے سبب اس میں اختلاف رونما ہوا۔ مجتہد نے حسب ذیل امور میں اختلاف کیا:

(الف) مستعمل الفاظ و محاورات کی تشریح و توضیح اور ان کے مفہوم کا تعین۔

(ب) مستعمل الفاظ و کلمات کی جامع و مانع حدود کا تعین اور ان کی نشاندہی ۔

(ج) اشیاء کے ارکان اور شرائط کی صحیح پہچان مثلاً: ذکر، حذف، تخریج مناط ،موصوف کا وصف عام سے وصف خاص پر صادق آنا، کلیہ کا اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوناوغیرہ، اس طرح ہر مجتہد نے اسے ایک جدا اور مستقل نقطہ نظر تک پہنچا دیا۔

مجتہدین نے مسائل کے اصول میں اختلاف کیا اور اس کا نتیجہ فروعی مسائل میں اختلاف کی صورت میں رونما ہوا ۔مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تمام مجتہدین حق پر ہیں، جب سب کے ماخذ ہمارے ذکرکردہ معنی اور طریقہ کے قریب ہوں، وہ بغیر کسی دشواری کے ذہن میں آسکیں اور عقلی نقطہ نظر سے بھی ان میں کوئی اشکال نہ ہو۔[25]

خلاصۂ بحث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے بعد شریعت محمدیہ کے وہ احکام جو اپنے ثبوت، دلائل اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں تھے یا جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف ارشادات منقول تھے یا جن کی تعبیر کے لیے کتاب و سنت میں استعمال ہونے والے الفاظ ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتے تھے۔اسی طرح پیش

آنے والے متعدد مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل و معاملات جن کے بارے میں کوئی واضح نص موجود نہ تھی، ان کے شرعی حل کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے اجتہاد سے کام لیا۔اب اجتہادی بصیرت، فکر و نظر استنباط و استخراج احکام کی فطری صلاحیتوں میں تفاوت اور اپنے اپنے حالات زمانہ کے لازمی تقاضوں اور ضرورتوں کی رعایت کے پیش نظر بے شمار اجتہادی مسائل و معاملات میں اختلاف وقوع پذیر ہوا،یہی اختلاف فکر و استنباط ائمہ مجتہدین کے مابین اختلاف کی بنیاد بنا۔جس کے نتیجے میں آگے چل کر متعدد فقہی مذاہب و مسالک وجود میں آئے،جس سے امت کے لئے بڑی آسانی اور وسعت پیدا ہوئی۔مرور زمانہ کے ساتھ باقی مذاہب ناپید ہوگئے لیکن ان چار مذاہب کو اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث شہرت، قبولیت عامہ اور دوام حاصل ہوا۔اب ہر شخص چونکہ اجتہاد و قیاس کے ذریعے استنباط احکام کی استطاعت نہیں رکھتا، دوسرا یہ کہ فقہی مذاہب چونکہ قرآن وسنت کی مختلف تعبیرات تھیں اس لیے عالم اسلام کی اکثریت نے انہی مذاہب و مسالک میں سے کسی نہ کسی کی تقلید شروع کردی۔کسی معین فقہی مسلک کی تقلید اگرچہ شرعاً واجب نہیں اور نہ ہی کوئی امام و مجتہد شرعی حجت ہے تاہم بعض شرعی مصالح کے مدنظر اور سد ذریعہ کے طور پر فقہائے امت نے ان چار مذاہب فقہ میں کسی ایک کی تقلید کو لازم قراردیا اور ہر مسئلہ میں خواہش نفس کی تکمیل کے لیے فقہی مسالک و آراء کو ملاکر ایسی شکل پر عمل کرنے تلفیق سے منع کردیا جس کا کوئی بھی مجتہد قائل نہ ہو،تاہم واقعی ضرورت کے وقت دوسرے فقہی مسلک پر عمل کی اجازت دی بلکہ متعدد فقہاء نے اس پر خود بھی عمل کیا۔

References

[1]Al-Nisa' 4:83.
[2]Al-Nisa' 4:59.
[3]Al-Anbiyā 21:7.
[4]Shāh Walīullah Dehlvī, *Al-Insāf fī bayān Sababal ikhtelāf* (Lahore: Department of Auqāf, Punjab, 1971), 02.
[5]Al-Nisa' 4:83.
[6]Abu Dāud Sulemān ibn Ashhās ibn Isḥāq, *Al-Sunan* (Halab: Maktaba al-Matbūāt, 1402 A.H), 2:505.
[7]Abū Mohammad Ibn 'Isā al-Tirmadhī, *Jām al-'Tirmdhī* (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiyyah, 1418), 2:210.
[8]Shāh Walīullah, *Uqda al-Jayed fī Aḥkām al-Ijtehād wa al-Taqleed* (Dehli: Matba Mujtabāī', 1344 A.H), 44.
[9]Muhammad Ibn Ismā'īl al-Bukhārī, *Saḥīḥ Bukhārī: Bāb al-Maghazī* (Beirut: Dār Ibn kaseer, 1407 A.H), 2:591.
[10]Abū Isḥāq al-Shatbī, *Al-Muwafiqāt fī 'Usūl al-Shariah,* 4:200.
[11]Ibid,3:26.
[12]Ibn 'Abd al-Birr, *Jamí bayān al-'Ilm wa fadh lahū* (Saudi arab: Dār Ibn al-Jūzī, 1422A.H), 171.
[13]Ibn 'Abideen Shāmī, *Radd al-Mukhtār 'ala al-Dar al-Mukhtār* (Egypt: Mustafa Al-Bābī, 1926A.D),1:78.
[14]Shāmī, *Radd al-Mukhtār 'ala al-Dar al-Mukhtār,* 1:28.
[15]Shāh Walīullah, *Hujjatullah al-Baghiya* (Karachi: Qadeemī kutub khāna), 1:657-58.

[16]Ibn Qayyam al-Jūzī, *Aelam al-Muwāqaeen,* 1:23.
[17]Tibrānī, *Masnad al-Shamyeen* (Beirut: Moassis al-Risālah, 1405 A.H), Hadith No.599.
[18]Shāh Walīullah, *Hujjatullah al-Baghiya,* 1:415.
[19]Al-Bukhārī, *Saḥīḥ Bukhārī*, Hadith No.3075, 2:763.
[20]Shāh Walīullah, *Hujjatullah al-Baghiya,* 1:416.
[21]Shāh Walīullah, *Al-Insāf fī bayān Sababal ikhtelāf,* 15.
[22]Al-Bukhārī, *Saḥīḥ Bukhārī: Bāb al-Maghazī,* 1:80.
[23]Shāh Walīullah, *Al-Insāf fī bayān Sababal ikhtelāf,* 16.
[24]Shāh Walīullah, *Al-Insāf fī bayān Sababal ikhtelāf,* 17.
[25]Shāh Walīullah, *Uqda al-Jayed fī Aḥkām al-Ijtehād wa al-Taqleed,* 15-16.